اردو (لازمی)	انٹر (پارٹ-II)	پرچہ II: (انشائیہ طرز)
وقت: 2.40 گھنٹے	2016ء (پہلا گروپ)	کل نمبر: 80

(حصہ اوّل)

سوال :2-(الف) درج ذیل اشعار کی تشریح کیجیے۔ نظم کا عنوان اور شاعر کا نام بھی لکھیے: (1,1,8)

جلالِ آتش و برق و سحاب پیدا کر
اجل بھی کانپ اُٹھے وہ شباب پیدا کر
صدائے تیشۂ مزدور ہے تیرا نغمہ
تو سنگ و خشت سے چنگ و رباب پیدا کر

جواب : حوالۂ متن:

نظم کا عنوان: نوجوان سے خطاب　　　شاعر کا نام: اسرار الحق مجاز

تشریح:

اسرار الحق مجاز کا تعلق ترقی پسند شعرا کے گروہ سے ہے۔ وہ معاشرے کے ہر شعبے اور ہر طبقے میں انقلاب کے خواہاں ہیں۔ اس نظم میں انھوں نے آج کے نوجوانوں سے خطاب کیا ہے۔ دراصل یہ نظم ان جذبات کی مظہر ہے، جو جدید فکر کا حامل شاعر نوجوان نسل کے لیے رکھتا ہے۔

شاعر آج کے نوجوان سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ اسے اپنی شخصیت میں آگ، بجلی اور بادل کی صفات پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ آگ کی یہ صفت ہے کہ وہ بھڑکتی اور مچلتی ہے۔ اسی طرح آج کے نوجوان کو بھی حرکت اور جوش کی صفات کا حامل ہونا چاہیے۔ بجلی کی صفت ہے کہ وہ کڑکتی اور گرجتی ہے۔ چنانچہ ہر نوجوان کو اپنے انداز میں کڑک اور جلال کا مادہ شامل کرنا چاہیے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس میں بادل کی صفات کا ہونا لازمی ہے۔ جس طرح بادل برس کر کھیتوں کی سیرابی اور باغوں کی شادابی کا سامان کرتا ہے، آج کے نوجوان کو بھی ابرِ باراں جیسا مفید بن جانا چاہیے تا کہ اس سے پوری انسانیت کا فائدہ ہو۔

شاعر کہتا ہے کہ اس دور کے جوان کے شباب میں ایسی شان اور ہیبت ہونی چاہیے کہ موت بھی اس سے خوف کھائے۔ اسے حوصلہ مند اور نڈر ہونا چاہیے تا کہ دنیا کی کوئی طاقت اسے مغلوب نہ کر سکے۔ یہ سب اسی صورت میں ممکن ہے، جب نوجوان اپنا راستہ سیدھا اور کردار پاکیزہ رکھیں۔ اگر نوجوان یہ صفات اپنے اندر پیدا کر لیں تو دنیا کہیں زیادہ بہتر اور خوبصورت ہو سکتی ہے۔

نظم کے دوسرے شعر میں شاعر نوجوان نسل کو نصیحت کر رہا ہے کہ تمھیں محنت و مشقت کو اپنا شعار بنالینا چاہیے۔ انسانی تاریخ گواہ ہے کہ وہی لوگ جہاں میں عزت و شہرت حاصل کر پائے جنھوں نے جہدِ مسلسل سے کام لیا ہے اور وہ لوگ زوال پذیر ہوئے جنھوں نے آرام و آسائش کو اپنی پہلی ترجیح سمجھا۔
بقول اقبال:

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

شاعر کو یہی یقین ہے کہ نوجوان نسل کو اپنا ایمان اس اصول کو بنانا چاہیے کہ ہر دم سرگرم رہیں۔ سست کوشی اور سہل پسندی کی عادت سے حتی الامکان اجتناب کریں۔

مختلف علاقوں، گروہوں اور شعبوں سے وابستہ لوگ اپنی ہمت افزائی کے لیے نغمات تشکیل دیتے ہیں جن سے انھیں تحریک ملتی ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ اے جوانو! مزدور کے تیشے کی آواز تمھارا نغمہ ہونا چاہیے، تمھیں اس کی آواز کسی مدھر ساز سے کم محسوس نہیں ہونی چاہیے، دراصل شاعر یہ خواہش رکھتا ہے کہ نوجوان نسل ہمت کو اپنا شعار بنائے۔ وہ کہتا ہے کہ اے نوجوانو اُٹھو! پہاڑوں اور سمندروں کو اپنے سامنے جھکنا سکھا دو۔ زمانے کو مسخر کر دو تا کہ اس کی ہر شے تمھاری عظمت کے گیت گائے۔ یہ کوشش اور جدوجہد ہی تمھاری زندگی کا مقصد ہے۔ ورنہ اگر تم دنیا کی پُرعشرت زندگی کے عادی بن گئے تو زندگی کی مشکلات تمھیں مغلوب کر دیں گی۔ ایسی صورت میں سوائے ذلت و ناکامی و نامرادی کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا، لہٰذا یہی وقت ہے کہ اپنی جوانی کو مثبت رخ پر ڈھالو اور کچھ کر کے دکھاو۔

کھیتوں کو دے لو پانی، اب بہ رہی ہے گنگا
کچھ کرلو نوجوانو، اُٹھتی جوانیاں ہیں

(ب) درج ذیل اشعار کی تشریح الگ الگ کیجیے اور شاعر کا نام بھی لکھیے: (1,3,3,3)

اے طائرِ لاہوتی! اُس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی
دارا و سکندر سے وہ مردِ فقیر اَولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بُوئے اسدُاللّٰہی
آئینِ جوانمرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں رُوباہی

جواب: شاعر کا نام: علامہ محمد اقبالؒ

شعر نمبر-1

تشریح:

اس شعر میں اقبالؒ نے طائرِ لاہوتی کی ترکیب مسلمان نوجوان کے لیے استعمال کی ہے۔ طائرِ لاہوتی کا مطلب ہے عالمِ بالا تک پرواز کرنے والا پرندہ یعنی عشقِ الٰہی میں فنا ہو جانے والا مردِ مومن۔ وہ کہتے ہیں کہ اے عالمِ بالا کے پرندے! تو انتہائی بلندیوں تک پرواز کر سکتا ہے۔ تیری یہی صفت تیری شان کے شایان ہے، لیکن اگر تیری جدوجہد حصولِ رزق تک محدود ہو کر رہ گئی تو یہ امر تیری موت کے مترادف ہوگا۔ تجھے مادی ضروریات کے ساتھ ساتھ روحانی تقاضوں کو بھی پیشِ نظر رکھنا ہوگا۔ تن پروری کے ساتھ ساتھ روح پروری بھی ضروری ہے۔ انسان کے لیے اس دنیا میں سب سے بڑی آزمائش رزق کی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ رزق حاصل کرنے کے لیے جائز طریقے اختیار کرتا ہے یا ناجائز۔ دیکھا یہ گیا ہے کہ اکثر لوگ رزق کی خاطر روحانی قدروں کو پامال کر دیتے ہیں۔ اللّٰہ کو چھوڑ کر غیر اللّٰہ پر تکیہ کرنے لگتے ہیں اور اس طرح اپنی خودی، خودداری اور غیرت کا سودا کر لیتے ہیں، جس میں یقیناً خسارہ ہی خسارہ ہے۔ چنانچہ جو رزق انسان کو راہِ حق سے بھٹکا دے، اسے قبول کرنے کی بجائے مر جانا بہتر ہے۔

شعر نمبر-2

تشریح:

اسداللہ کا مطلب ہے اللّٰہ کا شیر، مراد ہے حضرت علیؓ۔ دارا ایران کا مشہور بادشاہ تھا۔ سکندر جو سکندرِ اعظم کے نام سے جانا جاتا ہے یونان کا بادشاہ تھا۔ اس نے تخت نشین ہونے کے بعد ساری دنیا کو فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ اس نے مصر پر قبضہ کر کے بحیرۂ روم کے کنارے سکندریہ کا شہر آباد کیا۔ ایران کے شہنشاہ دارا کو شکست دی اور دنیا کا بہت سا علاقہ فتح کر لیا۔ تاریخ کے حوالے سے دارا اور سکندر زمانہ قبل مسیح کے بڑے طاقتور بادشاہ تھے۔ دنیا میں ان کے نام کا ڈنکا بجتا تھا۔ لیکن ان عظیم الشان بادشاہوں سے وہ فقیر درویش بدرجہا بہتر ہے، جس کی درویشی میں حضرت علیؓ کی جھلک نمایاں ہو۔ یعنی حضرت علیؓ کی سی شانِ بے نیازی پائی جائے۔ ملک فتح کر کے اور دولت کے انبار لگا کر بھی ان کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھے۔ نیز مال و دولتِ دنیا سے کوئی غرض نہ رکھے۔ لذائذِ دنیوی سے حضرت علیؓ کی بے رغبتی کے سلسلے میں ایک واقعے کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ حضرت علیؓ کا لنگر جاری تھا۔ آپؓ کے دونوں صاحبزادے حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ لنگر کے منتظمین تھے۔ لوگ آ رہے تھے اور کھانا کھا رہے تھے کہ ایک بوڑھا شخص آ گیا۔ وہ کھانا کھانے کے ساتھ ساتھ کچھ کھانا بچا بچا کر بھی رکھتا جاتا تھا۔ حضرت امام حسینؓ نے اُس بوڑھے سے دریافت فرمایا کہ تم ایسا کیوں کر رہے ہو؟ بوڑھے نے کہا کہ مسجد میں ایک بزرگ

بیٹھے سوکھی روٹی پانی میں بھگو بھگو کر نرم کر کے کھا رہے ہیں۔ یہ کھانا ان کے لیے لے کر جاؤں گا تو حسنینؓ نے فرمایا کہ وہ تو ہمارے والد حضرت علیؓ ہیں۔ بوڑھا یہ سن کر ششدر رہ گیا۔

شعر نمبر-3

تشریح:

علامہ اقبالؒ اس شعر میں بہادر انسانوں کے طور طریقے بیان کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اس دنیا میں حق گو اور حق پرست لوگ کبھی سچائی کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ خواہ اس میں ان کی جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔ وہ پورا یقین رکھتے ہیں کہ ظالم اور جابر حاکم کے سامنے کلمۂ حق کہنا سب سے بڑا جہاد ہے۔ وہ خالق سے ڈرتے ہیں، مخلوق سے نہیں۔ دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت انھیں حق گوئی سے باز نہیں رکھ سکتی۔ انسان بسا اوقات کسی نہ کسی مصلحت کے پیشِ نظر اپنے اصولوں سے انحراف کر جاتا ہے۔ اسے اصولوں پر سودے بازی کا نام دیا جاتا ہے، لیکن انسانوں ہی میں کچھ ایسے بھی ہیں جو اللّٰہ تعالیٰ کے شیر ہیں اور وہ کبھی لومڑی جیسے نہیں بن سکتے۔ لومڑی بزدل اور چالاک ہوتی ہے جبکہ شیر کسی بھی حالت میں لومڑیوں کی سی خصلتیں اختیار نہیں کر سکتے۔ ان کی شدید سے شدید ضرورت بھی انھیں کسی مصلحت کا شکار نہیں بنا سکتی۔ وہ جان تو دے سکتے ہیں، لیکن حق گوئی کی روش کو ترک نہیں کر سکتے۔ یہ سب صفات ان مسلمانوں کی ہیں جن کی زندگیوں میں ایمانی انقلاب پیدا ہو جاتا ہے۔

(حصہ دوم)

سوال: 3- سیاق و سباق کے حوالے سے کسی ایک جز کی تشریح کیجیے۔ نیز سبق کا عنوان اور مصنف کا نام بھی لکھیے: (1,1,3,10)

(الف) اقبالؒ نے آ کر اسلامی و مغربی علوم کے غائر مطالعے کے بعد اپنا خاص اسلامی فلسفہ قوم کے سامنے پیش کیا، جس کا مقصد کامل ترین انسان کی انفرادی و اجتماعی نشوونما ہے۔ اقبالؒ کا خیال ہے کہ انسان اطاعت، ضبطِ نفس اور نیابتِ الٰہی کی تین منزلیں طے کرتا ہوا خودی کی انتہائی بلندی پر پہنچ سکتا ہے۔ اس ارتقا میں اسے مذہب کی رہنمائی درکار ہے۔

جواب: حوالۂ متن:

سبق کا عنوان: تشکیلِ پاکستان — مصنف کا نام: میاں بشیر احمد

سیاق و سباق:

1707ء میں اورنگ زیب عالمگیر کی وفات دراصل برِصغیر میں مسلمانوں کے زوال کا نقطۂ آغاز

تھا۔ مسلمانوں کے اس انجام کو بدلنے کے لیے پہلے شاہ ولی اللہ اور پھر سید احمد شہید نے کوششیں کیں، مگر ناکام رہے۔ چنانچہ 1857ء میں برِصغیر پر انگریزوں کا مکمل قبضہ ہوگیا۔ سرسید اور ان کے ساتھیوں نے علی گڑھ تحریک کے زیرِ اثر مسلمانوں کی کایا پلٹنے کی کوشش کی جس میں وہ بڑی حد تک کامیاب ہوئے۔ اقبالؒ نے اس سلسلے میں سب سے اہم کام کیا۔ انھوں نے مسلمانوں کو بزدلی، کم ہمتی اور مایوسی کو ترک کرکے عزم و ہمت سے کام لینے پر اُبھارا۔ اس سفر میں تیزی اس وقت آئی جب مسلم لیگ کی قیادت قائداعظم کے ہاتھ میں آئی۔ قائداعظم نے ایک ہی وقت میں تین محاذوں پر جنگ لڑی۔ سب سے بڑا محاذ ہندوؤں کا تھا، لیکن قائداعظم نے ان کی ساری قیادت کی چالوں کو ناکام بنادیا۔ دوسرا محاذ انگریزوں کا تھا، قائداعظمؒ نے اپنی قانونی اور سیاسی تدابیر سے ان کی ایک نہ چلنے دی۔ تیسرا محاذ خود اپنوں کا تھا، جن کا شیرازہ بکھرا ہوا تھا۔ قائداعظمؒ نے اپنی قائدانہ صلاحیتوں سے کام لے کر ملت کو ایک مرکز پر جمع کیا اور بالآخر 14 اگست 1947ء کو ان کے لیے ایک علیحدہ وطن حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔

تشریح:

مندرجہ بالا عبارت میں برِصغیر کے مسلمانوں کو بیدار کرنے کے لیے علامہ اقبالؒ نے جو انقلابی کام کیا اس کا اور خصوصاً ان کے فلسفۂ خودی کا جائزہ لیا گیا ہے۔ خوش قسمتی سے علامہ اقبالؒ بیک وقت مشرقی اور مغربی علوم کے ماہر تھے۔ انھوں نے اسلامی علوم مثلاً قرآن، حدیث، فقہ کے علاوہ مغربی علوم مثلاً فلسفہ اور سائنس وغیرہ کا وسیع مطالعہ کرنے کے بعد اپنا مشہور فلسفۂ خودی قوم کے سامنے پیش کیا۔ جس کی بنیاد اسلام پر ہے اور جس کا مقصد ہر لحاظ سے مسلمانوں کو مکمل انسان بنانا اور بحیثیت فرد اور بحیثیت قوم ان کے پھلنے پھولنے اور بنی نوعِ انسان کے لیے فائدہ مند ثابت ہونے کا موقع فراہم کرنا ہے۔ اقبال کے فلسفۂ خودی کا بنیادی ڈھانچہ اس فرمان پر استوار ہے کہ "من عرف نفسہ فقد عرف ربہ" یعنی جس نے اپنے نفس کو پہچانا تو بے شک اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔

انسانی خودی کی تربیت کے لیے اقبالؒ نے تین درجے بتائے ہیں۔ پہلا درجہ اطاعت ہے۔ اقبالؒ کے مطابق اس دنیا میں جس شخص نے بھی کوئی بڑا کام سرانجام دیا ہے اس نے پہلے اپنے آپ کو آئین کی زنجیروں میں جکڑا ہے۔ مسلمانوں کے لیے جس قانون اور آئین کی پابندی ضروری ہے وہ اسلام ہے۔ دوسرا مرحلہ ضبطِ نفس یعنی اپنی خواہشات پر قابو پانا ہے۔ اقبالؒ کے خیال میں بہت سی نفسانی خواہشات انسان کی سرشت میں شامل ہیں، مثلاً خوف و محبت کے جذبات کی آمیزش۔ اگر ان جذبات کی تہذیب نہ کی جائے تو یہ انسانی شخصیت کے استحکام میں زبردست رکاوٹ بن سکتے ہیں۔ اسی تہذیب کو ضبطِ نفس کہتے ہیں۔ خودی کے ان دونوں مراحل کو بخیر و خوبی طے کرنے کے بعد انسان خودی کا وہ مرتبہ اور درجہ حاصل کر لیتا ہے، جسے انسانیت کی

معراج سمجھا جاتا ہے۔اسے انسانِ کامل، مردِ کامل اور زمین پر خدا کا خلیفہ کہا جاتا ہے اور یہ خودی کی آخری منزل ہے۔اور یہاں تک پہنچنے اور اس منزل کو حاصل کرنے میں صرف مذہب ہی انسان کی مدد کرتا ہے۔

(ب) مولوی نذیر احمد بڑے غیور آدمی تھے۔سسرال والے خاصے مُرفہ الحال تھے، مگر انھوں نے اسے گوارا نہ کیا کہ سسرال والوں کے ٹکڑوں پر پڑے رہیں۔ جب ان کی شادی ہوئی تو غالباً پندرہ روپے کے ملازم تھے۔اسی میں الگ ایک کھنڈلا لے کر رہتے تھے۔میں نے بڑی بوڑھیوں سے سنا ہے کہ ان کے گھر میں صرف ایک ٹوٹی ہوئی جوتی تھی۔کبھی بیوی ان لیتروں کو ہلکا لیتیں کبھی میاں۔

جواب: **حوالہ متن:**

سبق کا عنوان: مولوی نذیر احمد دہلوی　　**مصنف کا نام:** شاہد احمد دہلوی

سیاق وسباق:

خاکہ نگاری میں شاہد احمد دہلوی ایک منفرد انداز رکھتے ہیں۔مولوی نذیر احمد کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کا تذکرہ کرتے ہوئے وہ ان کی خودداری کی بات کرتے ہیں۔یہ پیراگراف سبق کے درمیان سے لیا گیا ہے۔اس سے پہلے ان کے بچپن کا حال بیان کیا گیا ہے کہ وہ بہت کٹھن گزرا اور شادی کے بعد بھی مالی حالت کچھ زیادہ بہتر نہ تھی۔انھوں نے سسرال والوں سے کوئی مدد نہ لی حالانکہ وہ اچھے خاصے کھاتے پیتے لوگ تھے۔

تشریح:

مولوی نذیر احمد دہلوی اُردو ادب کے ارکانِ خمسہ میں ایک نمایاں نام ہے۔اردو کے پہلے ناول نگار کی حیثیت سے بھی مولوی صاحب کا ادب میں ایک خاص مقام ہے۔اس کے علاوہ وہ عربی کے ماہر تھے۔ترجمۃ القرآن ان کی شاندار تصنیف ہے۔ادب میں اتنا اونچا مقام رکھنے والے مولوی نذیر احمد نے زندگی بہت کٹھن مراحل میں گزاری۔بچپن میں مولوی عبدالقادر کے گھر روٹی مانگنے جایا کرتے تو اُن سے اوپر کے کام بھی لیے جاتے۔ان کاموں میں سودا سلف لانا، مسالہ پیسنا اور لڑکی کو بہلانا شامل تھا۔وہ ضدی لڑکی ان کو بہت تنگ کرتی تھی۔ بعد میں وہی لڑکی ان کی بیوی بنی۔مولوی صاحب کے سسرال والے امیر تھے، مگر آپ کی غیرت نے گوارا نہ کیا کہ ان سے کسی قسم کی مدد لی جائے۔آپ نے الگ ایک چھوٹا سا کمرہ کرائے پر لیا اور وہیں رہتے تھے۔حالات جیسے بھی رہے، کبھی کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلایا۔ اگرچہ سسرال والوں نے کئی مرتبہ مدد کی کوشش کی، مگر مولوی صاحب کی غیرت نے گوارا نہ کیا۔اکثر لوگ

ذکر کرتے ہیں کہ گھر میں اس قدر حالات خراب تھے کہ ٹوٹی ہوئی جوتی کا ایک ہی جوڑا دونوں میاں بیوی کے پاس تھا' جسے وہ باری باری پہنتے تھے۔ ثابت ہوا کہ مولوی صاحب قناعت کی دولت سے مالا مال تھے۔

سوال :4- درج ذیل میں سے کسی ایک نصابی سبق کا خلاصہ لکھیے اور مصنف کا نام بھی تحریر کیجیے:

(الف) دستک (ب) پہلی فتح (1,9)

(الف) دستک

مصنف: مرزا ادیب

جواب : ڈاکٹر زیدی کی عمر پچپن سال کے لگ بھگ تھی۔ بیمار پڑ گئے تو ان کی بیگم نے ان کی تیمارداری میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ وہ ہر وقت اپنے شوہر کے کمرے میں موجود رہتیں۔ ڈاکٹر صاحب کا علاج ایک نوجوان ڈاکٹر برہان کر رہے تھے۔ سردیوں کا موسم تھا اور رات کا وقت۔ باہر بڑی تند و تیز ہوا چل رہی تھی۔ بیگم زیدی اپنے شوہر کے پاس آرام دہ کرسی پر بیٹھی کسی رسالے کا مطالعہ کر رہی تھیں کہ ڈاکٹر صاحب نے دھیمی سی آواز میں کچھ کہا' جسے بیگم صاحبہ نہ سن پائیں' لیکن جب وہ اپنے جسم سے کمبل ہٹانے لگے تو بیگم کے پوچھنے پر انھوں نے کہا کہ باہر کوئی دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے۔ بیگم نے جواب دیا کہ مجھے تو کوئی دستک سنائی نہیں دی۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ اگر تم جانا نہیں چاہتیں تو میں خود ہی چلا جاتا ہوں۔ بیگم صاحبہ نے ڈاکٹر صاحب کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ دروازے پر کوئی نہیں ہے صرف تند و تیز ہوا کا شور ہے جسے آپ دستک خیال کر رہے ہیں' لیکن ڈاکٹر زیدی اپنی بیوی کے جواب سے مطمئن نہ ہوئے اور اپنی بات پر اصرار کرتے رہے۔ اپنے شوہر کو مطمئن کرنے کے لیے بیگم صاحبہ دروازے کی طرف گئیں اور آ کر انھیں بتایا کہ دروازے پر کوئی بھی نہیں ہے' لیکن ڈاکٹر زیدی اصرار کرتے رہے کہ ضرور باہر دروازے پر دستک ہو رہی ہے۔

اسی دوران میں دروازے پر گھنٹی ہوئی۔ بیگم زیدی نے جا کر دیکھا تو ڈاکٹر برہان تھے۔ ڈاکٹر برہان نے ڈاکٹر زیدی کی کیفیت کے بارے میں سن کر کہا کہ ان کی حالت اب تسلی بخش لگتی ہے' اس لیے انجکشن میں اب ناغہ کر دینا چاہیے۔ بیگم زیدی نے ڈاکٹر برہان سے اپنے شوہر کے اس وہم کا ذکر کیا کہ کس طرح وہ ہر وقت یہ سمجھتے ہیں کہ باہر دروازے پر کوئی دستک دے رہا ہے حالانکہ دستک دینے والا کوئی بھی نہیں ہوتا۔

ڈاکٹر برہان کے استفسار پر ڈاکٹر زیدی نے اپنی جوانی کے زمانے کا ایک واقعہ سنایا کہ اٹھارہ بیس سال قبل میری پریکٹس خوب چلتی تھی۔ ڈسپنسری میں بھی اور گھر پر بھی اکثر مریضوں کی بھیڑ لگی رہتی تھی اور مجھے سر کھجانے کی بھی فرصت نہیں ملتی تھی۔ ایک رات میں دیر سے تھکا ہارا اپنے کلینک سے گھر لوٹا تو آتے ہی بستر پر گر پڑا۔ کچھ دیر بعد میرے نوکر نے آ کر مجھے بتایا باہر کوئی بڑے میاں آئے ہیں اور مریض کو

دکھانے کے لیے آپ کو گھر لے جانا چاہتے ہیں۔ ڈاکٹر زیدی نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے ڈاکٹر برہان کو بتایا کہ میں دن بھر کی تھکاوٹ سے چور تھا۔ گرم گرم بستر چھوڑنا میرے لیے مشکل ہو رہا تھا۔ اس لیے میں نے اپنے نوکر سے کہا کہ وہ بوڑھے کو واپس بھیج دے۔ لیکن نوکر کے روکنے کے باوجود بوڑھا میرے کمرے میں آ گیا اور منت سماجت کرنے لگا کہ میرا بیٹا سخت بیمار ہے۔ اسے پہلے بھی آپ کی دوا سے شفا ہوئی تھی اس لیے مہربانی کر کے آپ اسے چل کر دیکھ لیں۔ لیکن میں نے سختی سے انکار کر دیا۔ اور میرے ملازم نے زبردستی اسے باہر نکال دیا۔ نہ جانے وہ کب تک دروازے پر دستک دیتا رہا، مگر میں سو گیا۔ صبح اٹھا تو رات کے واقعہ پر مجھے بے حد ندامت ہو رہی تھی۔ میرا ضمیر بیدار ہو چکا تھا اور مجھے رات والے رویے پر لعنت ملامت کر رہا تھا۔ میں نے بوڑھے کو ڈھونڈنے کی بہت کوشش کی مگر اس کا کچھ پتہ نہ چل سکا۔

ڈاکٹر برہان نے ڈاکٹر زیدی کا واقعہ سنا تو کہا کہ ڈاکٹر صاحب یہ آپ کا ضمیر ہے، جواب کبھی کبھی آپ کے دروازے پر دستک دیتا رہتا ہے۔ آپ اپنے اس واقعہ میں اتنی بات کا اور اضافہ کر لیجیے کہ میں انھی بڑے میاں کا پوتا ہوں جس کا بیٹا اس رات ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر رہا تھا۔ اب آپ کو اطمینان سے سو جانا چاہیے اور اب آپ کے دروازے پر دستک نہیں ہونی چاہیے۔

(ب) پہلی فتح

جواب: مصنف کا نام:- نسیم حجازی

خلاصہ:-

نمازِ فجر کے بعد دمشق کے لوگ چھتوں پر کھڑے سترہ سالہ محمد بن قاسم کی قیادت میں دور دراز ملک (سندھ) پر حملہ کے لیے جانے والی فوج کا جلوس دیکھ رہے تھے۔ کوفہ اور بصرہ میں فوج کی روانگی کی خبر پہنچ چکی تھی۔ نوجوان عورتیں اپنے عزیزوں کو محمد بن قاسم کا ساتھ دینے پر آمادہ کر رہی تھیں۔ محمد بن قاسم کی بیمار والدہ بھی جہاد کی تبلیغ کر رہی تھی۔ محمد بن قاسم کی بیوی زبیدہ نے سپاہیوں کی جنگی ضروریات پوری کرنے کے لیے اپنے زیورات تک بیچ ڈالے۔ امیر و غریب گھرانوں کی لڑکیاں بھی زبیدہ کی تقلید کرتے ہوئے مجاہدین کی اعانت کے لیے سونا چاندی بیت المال میں جمع کرا رہی تھیں۔

محمد بن قاسم کی بصرہ آمد سے پہلے حجاج بن یوسف کو مکران کے گورنر محمد بن ہارون کا یہ پیغام مل گیا تھا کہ دیبل کے گورنر نے ان کے وفد کے بیس میں سے اٹھارہ افراد کو قتل کرا دیا ہے۔ اس خبر نے بصرہ کے عوام میں انتقام کے جذبات کو مشتعل کر دیا۔

محمد بن قاسم بارہ ہزار افراد پر مشتمل فوج لے کر شیراز سے ہوتا ہوا مکران پہنچا۔ مکران کی سرحد پار کرنے کے بعد لس بیلا کے پہاڑی علاقے میں اسے مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ بھیم سنگھ نے لس بیلا کے سندھی گورنر کی مدد کے لیے بیس ہزار فوج بھیجی اور ایک مضبوط پہاڑی قلعے کو مرکز بنا کر تمام راستوں پر تیر انداز متعین کر دیے۔ مسلمان فوج پہاڑی علاقے میں داخل ہوئی تو بھیم سنگھ کے فوجی اچانک نمودار ہو کر مسلمانوں پر حملے کر کے غائب ہو جاتے۔ گھڑ سوار تو ادھر ادھر ہو کر بچاؤ کر لیتے لیکن شتر سوار دستوں کے لیے یہ حملے بڑی پریشانی کا باعث تھے۔ محمد بن قاسم کی فوج کی پیش قدمی کے ساتھ ساتھ ان حملوں میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔

محمد بن قاسم کے جاسوس نے خبر دی کہ بیس کوس دور شمال میں فوج ایک مضبوط قلعے میں مقیم ہے۔

محمد بن قاسم نے تجربہ کار سپہ سالاروں کا اجلاس بلایا۔ صورتِ حال پر ان کی رائے معلوم کی اور اپنا فیصلہ سنایا کہ ''علاقے کو دشمن سے پاک کرنے کے لیے اس قلعے کو فتح کرنا ضروری ہے۔ یہاں سے کترا کے نکلنے کا مطلب اپنے عقب کو غیر محفوظ کرنا ہے۔ قلعے کی فتح کے بعد دشمن فیصلہ کن جنگ لڑنے کی کوشش کرے گا تو یہ ہمارے لیے بہتر ہوگا۔ دشمن نے ہماری پیش قدمی روکنے کے لیے قلعے کے محافظوں کی زیادہ تعداد آس پاس پہاڑیوں پر بکھیر رکھی ہے۔ میں آج طلوعِ آفتاب سے پہلے پانچ سو پیادہ سپاہیوں کے ساتھ حملہ کرنا چاہتا ہوں۔ اگر صبح تک قلعہ فتح ہونے کی خبر آپ تک پہنچ جائے تو رک کر میرے حکم کا انتظار کریں۔ دشمن کے منظم حملے کی صورت میں قلعے کو چند آدمیوں کی حفاظت میں چھوڑ کر میں آپ سے آملوں گا۔ اگر دشمن نے قلعہ دوبارہ فتح کرنا چاہا تو آپ وہاں پہنچ جائیں۔''

ایک بوڑھے سالار کی اس رائے پر کہ سپہ سالار کی اہمیت کے پیشِ نظر اسے فوج کے ساتھ رہنا چاہیے، محمد بن قاسم نے جنگِ قادسیہ کے حوالے سے بتایا کہ ''ایرانیوں نے رستم پر انحصار کیا تو اس کی موت ایران کی تباہی و شکست کا باعث بن گئی۔ سعدؓ بن ابی وقاص بیماری کی وجہ سے جنگ سے الگ ہو گئے لیکن مسلمانوں کی خود اعتمادی نے سپہ سالار کی عدم موجودگی کا احساس نہ ہونے دیا۔ مسلمان بادشاہوں اور سالاروں پر بھروسہ کرنے کی بجائے خدا کی ذات پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اس قلعے کو فتح کرنا اہم نہ ہوتا تو میں اس مہم کی قیادت کسی اور کو سونپ دیتا۔ حالات تقاضا کرتے ہیں کہ میں خود اس مہم کی رہنمائی کروں۔''

زبیر نے ساتھ چلنے کی خواہش ظاہر کی تو محمد بن قاسم نے یہ کہہ کر روک دیا کہ ''ایک قلعہ فتح کرنے کے لیے دو دماغوں کی ضرورت نہیں۔ میں اپنی جگہ محمد بن ہارون کو مقرر کرتا ہوں اور تم اس کے نائب ہو۔''

سوال :5- نظم "خدا سرسبز رکھے اس چمن کو مہرباں ہوکر" کا خلاصہ تحریر کیجیے۔ (5)

جواب : خدا سرسبز رکھے اس چمن کو مہرباں ہوکر

خلاصہ:-

اس نظم کے شاعر "اکبرالہ آبادی" اردو زبان کے وہ نامود شاعر ہیں جنھوں نے اردو نظم اور غزل کو سنوارا اور اسے نئے موضوعات سے آشنا کیا۔ وہ کہتے ہیں باغ میں بہار کا موسم آ گیا ہے۔ ہر طرف پھول کھل گئے ہیں۔ بلبلیں بہار کی آمد کے جوش میں دھوم مچارہی ہیں۔ باغ میں ہر طرف سبزہ ہی سبزہ ہے۔ صبح کی ہوا پھولوں کی خوشبو سے سارے باغ کو مست کررہی ہے۔ پودوں کی ڈالیاں مستی میں جھوم رہی ہیں اور باغ کے پرندے خوشی کے گیت گا رہے ہیں۔ صبح کی ٹھنڈی ہوا پھولوں کی شاخوں پر دل و جان سے نثار ہورہی ہے اور کلیاں مسکرارہی ہیں۔ پھولوں نے شبنم کے قطروں سے وضو کیا اور بلبل نے صبح کی اذان دی اور سارا باغ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہوگیا۔ پودوں کی شاخوں، پتیوں، پھولوں، سب نے اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوکر دعا کی کہ اللہ اس چمن کو اسی طرح سرسبز وشاداب رکھے۔

سوال :6- درجِ ذیل عنوانات میں سے کسی ایک عنوان پر مفصل مضمون تحریر کیجیے: (20)

(الف) تعلیمِ نسواں کی اہمیت (ب) انٹرنیٹ کے فوائد و نقصانات

(ج) قومی تعمیر میں طلبہ کا کردار

(الف) تعلیمِ نسواں کی اہمیت

جواب : **عورت کی ذات:**

اگر عورت کی ذات کا پس منظر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ عورت اور مرد زندگی کی گاڑی کے دو پہیے ہوتے ہیں اور گاڑی کے اس سفر کے لیے دونوں پہیوں میں یکسانیت ہونا لازمی ہوتی ہے، کیونکہ اگر ایک بھی غیر یکساں ہو تو گاڑی رواں دواں نہیں رہ سکتی۔

تعلیم کی اہمیت:

اگر علم مرد کی عقل کو روشن کرتا ہے تو عورت کی عقل کو بھی علم سے جلا ملتی ہے۔ اس لحاظ سے عورتوں کی تعلیم بھی نہایت اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ ایک مرد کو تعلیم دینا صرف اس کو تعلیم دینا ہے جبکہ ایک عورت کو تعلیم دینے کا مقصد پورے خاندان کو تعلیم دینا ہے۔ اسی طرح نپولین نے کہا تھا:

"آپ مجھے اچھی مائیں دے دو۔ میں تمھیں اچھی قوم دوں گا۔"

فرمانِ نبوی ﷺ:

رسول ﷺ کا ارشاد ہے کہ: "علم حاصل کرو خواہ تمھیں چین جانا پڑے۔"
آج ہوائی جہاز و دیگر ذرائع نے چین کو قریب کر دیا ہے، لیکن جب یہ فرمان جاری ہوا تو چین کا سفر جان جوکھوں کا کام تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ارشاد ہوا کہ:

"جو شخص علم حاصل کرنے کی کوشش میں جان ہار دے وہ شہید ہے۔"

اسلام میں علم کا درجہ:

جنگِ بدر کے وہ قیدی جو فدیہ دینے کی استطاعت نہ رکھتے تھے، ان کے لیے دس دس بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھانا فدیہ ٹھہرایا گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں علم کا درجہ کتنا بلند ہے۔ آپ ﷺ نے خواتین کی تعلیم کے بارے میں فرمایا: "جس شخص نے ایک یا ایک سے زیادہ بیٹیوں کو تعلیم دی اور اچھے طریقے سے ان کی پرورش کی، جہنم کی آگ اس شخص سے دور رہے گی۔"

تعلیمِ نسواں کی اہمیت:

اگر کوئی مرد علم کے ذریعے ترقی اور شہرت پا سکتا ہے تو عورت بھی ان بلند درجات تک جا سکتی ہے۔ اب وہ زمانۂ جاہلیت نہیں ہے کہ عورت کو تعلیم حاصل کرنے سے روکا جائے۔ اب تو عورتوں کے لیے الگ تعلیمی اداروں کا قیام عمل میں لایا گیا ہے۔ تاکہ وہ پڑھ لکھ کر ترقی کریں اور ملک کا نام روشن کریں۔

جاہل اور پڑھی لکھی عورت میں فرق:

ایک جاہل عورت بھی ماں کہلاتی ہے اور تعلیم یافتہ عورت بھی ماں کہلاتی ہے، مگر دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ایک جاہل عورت گھر کو سنوار کر نہیں رکھتی، فضول خرچیاں کرتی ہے جس سے وہ امیر بھی ہو تو غریب ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس ایک تعلیم یافتہ عورت اپنے گھر کو صاف ستھرا رکھتی ہے، اپنے خاوند اور بچوں کی زندگی سنوارتی ہے، جس کا اثر بچوں کی معاشرتی اور روحانی زندگی پر ہوتا ہے۔ اور وہ بڑے ہو کر ترقی کی راہوں پر گامزن ہو جاتے ہیں۔ عورت غریب بھی ہو تو تعلیم سے امیر بن جاتی ہے۔ وہ فضول خرچیوں کی بجائے کفایت شعاری کو اپنا شعار بناتی ہے۔ وہ اپنے بچوں کو خود تعلیم دیتی ہے اور محلے کے بچوں کو پڑھاتی ہے۔ اس طرح وہ عزت بھی پاتی ہے اور اس کے معاشی حالات بھی قدرے بہتر ہو جاتے ہیں۔

تعلیم نسواں کے فوائد:

اب تو خواتین اعلیٰ تعلیم کے ذریعے اعلیٰ مراتب پر بھی فائز ہونے لگی ہیں۔ان کو اپنے جواہر دکھانے کے بھرپور مواقع مل رہے ہیں۔ان میں خودداری اور اعتماد کا جذبہ پیدا ہو رہا ہے۔تعلیم یافتہ مائیں اپنے بچوں کو پاکیزہ ماحول دیتی ہیں۔انھیں علم ہوتا ہے کہ آج تکلیف اٹھا کر بچوں کی تربیت کر دی گئی تو کل یہ ننھے منے پودے شجر بنیں گے اور ان درختوں کے سائے اور ثمر سے پورا معاشرہ اور پورا ملک مستفید ہو گا۔ ماں کی گود بچے کی پہلی درس گاہ ہوتی ہے' کیونکہ ماں ہی سے بچہ اپنی زندگی کے طور طریقے سیکھتا ہے۔

زمانہ جاہلیت کی روایات:

بعض روایات کے مطابق بعض دولت مند لوگ خود جاہل ہونے کی وجہ سے اپنی بیٹیوں کو بھی جاہل رکھتے تھے۔زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنے کی بجائے قیمتی لباس اور زیور سے آراستہ کرتے تھے۔جس سے ان میں ہوس اور بے راہ روی جیسی خامیاں پیدا ہو جاتی تھیں۔وہ خاتونِ خانہ تو بن نہیں پاتیں' لیکن سبھا کی پریاں بن جاتی تھیں اور ملک وملت کی رسوائی کا باعث بنتی تھیں۔

تعلیم بطور رہنما و رہبر:

تعلیم یافتہ خواتین اپنے وقار کے ساتھ ساتھ ملک وملت کی شان بھی بڑھاتی ہیں اور اپنی اولاد کو بھی اس قابل بناتی ہیں۔ان کو برائی اور بھلائی میں تمیز سکھاتی ہیں' جس سے ان کو فرائض کی ادائیگی میں مدد ملتی ہے۔اسلام اور معاشرتی تعلیمات کے مطابق عورتوں کی تعلیم بے حد ضروری اور لازمی ہے۔اس کے بغیر مہذب اور ترقی یافتہ قوم کا تصور بھی محال ہے۔

ڈاکٹری کی تعلیم:

عورت کو خدا نے صنفِ نازک بنایا ہے۔اسے ماں' بہن' بیٹی اور بیوی کا رُوپ دے کر باپ' بیٹے' بھائی اور خاوند کے لیے محبت' خلوص اور دکھ کا سہارا بنا دیا ہے۔ہمدردی' شفقت اور نرمی عورت کی فطرت کا حصہ ہے' اس لیے اگر عورت ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کرے تو مسیحائی میں مرد اس کا ہم سر نہیں ہو سکتا۔اسلام پردے پر زور دیتا ہے' اس لیے خواتین ہی خواتین کا علاج معالجہ کر سکتی ہیں۔

تعلیم نسواں پر اعتراضات:

بعض کم فہم لوگ عورتوں کو تعلیم دلوانے کے خلاف ہیں۔ان کا خیال ہے کہ تعلیم نے عورت کا کردار کھو دیا ہے۔قدیم زمانے میں یہ اعتراض کیا جاتا تھا کہ عورتیں گھر کے کام کرتی ہیں۔اس لیے انھیں تعلیم

دلانے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے، مگر یہ اعتراضات حقیقت پر مبنی نہیں ہیں۔ ہمارا مشاہدہ ہے کہ تعلیم یافتہ خواتین نہ صرف خاندان بلکہ اپنے معاشرے اور ملک کے لیے بھی مددگار اور معاون ثابت ہوتی ہیں۔

(ب) انٹرنیٹ کے فوائد و نقصانات

جواب: **کمپیوٹر اور انٹرنیٹ اہم ایجاد:**

ریڈیو، ٹیلی ویژن، وی سی آر، ہوائی جہاز وغیرہ ایسی ایجادات ہیں جن کو دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ ان ایجادات میں سے ایک اہم ایجاد کمپیوٹر ہے۔ ٹیلی مواصلات میں ہونے والی حیرت انگیز ترقی بھی کمپیوٹر کی ہی مرہونِ منت ہے۔ ٹیلی مواصلات کا ایک اہم ذریعہ انٹرنیٹ ہے۔ انٹرنیٹ دنیا کا سب سے بڑا کمپیوٹر نیٹ ورک ہے۔ جس کے ذریعے کروڑوں کمپیوٹرز آپس میں منسلک ہیں: اسے آج سے 25 سال پہلے امریکہ نے ایجاد کیا۔ شروع شروع میں اسے صرف دفاعی مقاصد کے لیے استعمال کیا جاتا رہا، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کا دائرہ کار وسیع تر ہوتا گیا اور اب اس کا جال پوری دنیا میں پھیل چکا ہے۔ انٹرنیٹ سے منسلک کسی بھی کمپیوٹر کو دنیا کے کسی بھی حصے میں تلاش کیا جا سکتا ہے اور معلومات کا تبادلہ کیا جا سکتا ہے۔ اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ جس کمپیوٹر سے آپ منسلک ہونا چاہتے ہیں وہ دنیا کے کس حصے میں موجود ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ رابطہ ہوتے وقت دونوں کمپیوٹرز انٹرنیٹ سے منسلک ہوں۔ انٹرنیٹ جیسی مفید ایجاد نے تعلیمی، تجارتی، معاشی اور معاشرتی میدان میں ایک انقلاب برپا کر دیا ہے۔

سکولوں میں انٹرنیٹ کی سہولت:

دنیا میں انٹرنیٹ کی بڑھتی ہوئی مانگ کے پیشِ نظر گورنمنٹ آف پاکستان بھی ایک پروگرام پر کام کر رہی ہے، جس کا مقصد سرکاری سکولوں میں انٹرنیٹ کی سہولت مہیا کرنا ہے۔ اس وقت پاکستان کے بہت سے کالجوں میں یہ سہولت موجود ہے۔ انٹرنیٹ معلومات کا ایک خزانہ ہے۔ مختلف یونیورسٹیوں، کالجوں اور دوسری سرکاری اور غیر سرکاری تنظیموں نے کروڑوں صفحات پر مشتمل مختلف کتابچے اور دوسرا مواد انٹرنیٹ پر رکھا ہوا ہے، جس سے ہر خاص و عام استفادہ کر سکتا ہے۔ مختلف نوعیت کے پراجیکٹس میں انٹرنیٹ سے مدد لی جا سکتی ہے۔ آپ انٹرنیٹ کے ذریعے اپنے اساتذہ یا دوسرے ساتھی طلبہ سے بھی رابطہ کر سکتے ہیں اور تبادلۂ خیال کر سکتے ہیں۔ بہت سے غیر ملکی کالجوں اور یونیورسٹیوں میں مختلف موضوعات پر اساتذہ کے لیکچر بھی انٹرنیٹ پر موجود ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کالج گئے بغیر براہِ

راست انٹرنیٹ کلاس میں شرکت کر سکتے ہیں۔

انٹرنیٹ دلچسپی کا حامل:

انٹرنیٹ بچوں بڑوں سب کے لیے یکساں دلچسپی کا حامل ہے۔ چھوٹے بچوں کے لیے انٹرنیٹ پر بہت سا مواد دستیاب ہے۔ بچے انٹرنیٹ سے اپنی پڑھائی میں مدد لے سکتے ہیں۔ بہت سے ایسے تعلیمی پروگرام دستیاب ہیں جن سے ان کی ریڈنگ (Reading) اور کمیونیکیشن بہتر ہو سکتی ہے۔

سکیورٹی سسٹم:

انٹرنیٹ پر جہاں بہت سا تعلیمی مواد موجود ہے وہاں ایسی معلومات بھی ہیں جو چھوٹے بچوں کے لیے نقصان دہ ہیں۔ انٹرنیٹ میں بچوں کو اس چیز سے بچانے کے لیے سکیورٹی سسٹم بھی موجود ہے۔

ویڈیو کانفرنس:

اگر آپ کے کمپیوٹر کے ساتھ کیمرہ اور مائک لگا ہو تو آپ انٹرنیٹ کے ذریعے دنیا کے کسی بھی کونے میں بات چیت کر سکتے ہیں۔ جس سے بات ہو رہی ہے وہ مانیٹر سکرین پر نظر بھی آتا ہے۔ اسے ویڈیو کانفرنس بھی کہتے ہیں۔

خواتین کے لیے مفید معلومات:

گھر میں موجود خواتین کے لیے انٹرنیٹ پر بہت سی مفید چیزیں موجود ہیں۔ لوکل نیوز پیپر، حالاتِ حاضرہ، دلچسپ خبریں، فلمیں، مختلف ٹی وی پروگرامز اور ان کے اوقات وغیرہ سب کچھ انٹرنیٹ پر دستیاب ہیں، جن سے گھر کا ہر فرد فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ انٹرنیٹ کے ذریعے ریسرچ میں مصروف اداروں کو ملا دیا گیا ہے تاکہ وہ مختلف پراجیکٹس پر کام کر سکیں۔ انٹرنیٹ کے ذریعے بیرون ملک فون کرنا بہت آسان ہے۔ عام گھریلو فون کی نسبت انٹرنیٹ کے ذریعے فون کرنے سے بہت کم بل آتا ہے۔

کمپیوٹر اور انٹرنیٹ سے ترقی کی منزل آسان:

الغرض! کمپیوٹر اور انٹرنیٹ نے ترقی کی منزلیں آسان کر دی ہیں۔ کمپیوٹر کی بدولت تمام شعبہ ہائے زندگی میں پہلے کی نسبت کم وقت میں دو گنا کام ہو رہا ہے۔ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں کمپیوٹر اور انٹرنیٹ سے استفادہ نہ کیا جا رہا ہو۔

(ج) قومی تعمیر میں طلبہ کا کردار

جواب: معاشرہ مل جل کر رہنے کا نام ہے، اور جب انسان مل جل کر رہتے ہیں تو اس سے قدرتی طور

پر کئی مسائل بھی جنم لیتے ہیں، جن سے معاشرے کی تعمیر و ترقی پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان مسائل سے نمٹنے کے لیے معاشرے کا جو طبقہ سب سے اہم کام سرانجام دے سکتا ہے، وہ نوجوان طلبا کا ہے۔ ہمارے عظیم قائد نے ایک مرتبہ طلبا سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''آپ مستقبل کے معمار ہیں۔ آپ پر مشکل کام آن پڑا ہے، اس سے نمٹنے کے لیے اپنی شخصیت میں نظم و ضبط پیدا کیجیے، مناسب تربیت حاصل کیجیے۔ اور اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ہر وقت تیار رہیے۔'' چنانچہ ہمارے نوجوان طلبا جو پاکستان کی تین چوتھائی آبادی پر مشتمل ہیں، اگر مناسب تعلیم و تربیت سے راہِ راست کو اپنا لیں تو وہ معاشرے کی تعمیر میں اہم اور نمایاں کردار ادا کر سکتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ آج کا طالب علم آسانیوں کا متلاشی ہے اور وہ محنت سے گریز کرتے ہوئے بھی انعام کی آس لگائے بیٹھا ہے۔ حالانکہ محنت ہی سے انسان بلند مقام حاصل کر سکتا ہے۔ کسی دانشمند نے کہا تھا:

''آج کا مسلمان اپنے مقام و مرتبے سے اس لیے گر گیا ہے کہ اب اسلام میں صاحبانِ عظمت نہیں رہے۔''

عظمت صرف محنت سے ہی مل سکتی ہے۔ علم خدا کا نور ہے اور یہ کائنات اسی نور سے روشن ہے۔ حضرت آدمؑ اسی نور سے مسجودِ ملائکہ ہیں۔ اور یہ ایسی نعمت ہے کہ اللہ کے رسول صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ بھی تمام عمر ربِ زدنی علماً کی دعائیں فرماتے رہے۔ چنانچہ طلبا بھی اپنا فرضِ اولین یعنی علم صحیح طریقے سے حاصل کرتے رہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ کامیابیوں سے ہمکنار نہ ہوں۔ ہمارے طلبا میں بے شک بہت سی صلاحیتیں موجود ہیں، مگر مناسب رہنمائی کی ضرورت ہے۔

زر دار ہی ہیں کونپلیں کوئی سحاب سوچ
آئندہ نسل کے لیے تازہ نصاب سوچ

قائداعظمؒ نے پشاور یونیورسٹی کے طلبا سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا:

"You are the builder of Pakistan and father of the future nation."

ارشادِ ربانی ہے: ''لیس للانسان الا ما سعی'' یعنی انسان کو محنت کے بغیر کچھ نہیں ملتا۔ قوموں کا عروج و زوال اسی محنت سے وابستہ ہے اور نوجوان طلبا کو تو قوم کا زندہ حصہ (Living Part of the Nation) کہا گیا ہے، کیونکہ وہ بچوں اور بوڑھوں کی نسبت زیادہ باصلاحیت اور قوت مند ہوتے ہیں۔ زیادہ محنت اور تندہی سے قومی کام سرانجام دے سکتے ہیں، لہٰذا انھیں چاہیے کہ وہ اپنے قائد کے قول ''کام

کام اور کام'' کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے زیادہ سے زیادہ سماجی بہبود کے کاموں میں حصہ لیں۔ دوسروں کو تعلیم دیں اور تن آسانی کی بجائے سخت کوشی کو اپنائیں' کیونکہ اسی میں کامیابی کا راز مضمر ہے۔

ہے شباب اپنے لہو کی آگ میں جلنے کا نام
سخت کوشی سے ہے تلخ زندگانی انگبیں

طلبا کو چاہیے کہ وہ اپنی شخصیت کی تعمیر کے لیے عظیم' مقدس اور مذہبی ہستیوں کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔ تاریخِ اسلام کا گہرا مطالعہ کریں۔ مذہب پر نگاہِ عمیق ڈالیں اور اس طرح سیرت وتعمیرِ کردار کے بعد اپنے اصل میدان یعنی تعلیم کی طرف راغب ہوں۔ سیاست سے گریز کریں۔ سیاسی علم تو حاصل کریں' مگر عملی سیاست سے دور رہیں۔ اصل میدان یعنی تعلیم ہی کو پیشِ نظر رکھیں۔ سماجی اور امدادی کاموں میں دوسروں کا ہاتھ بٹائیں۔ کیونکہ تشکیلِ پاکستان کے بعد اب تعمیرِ پاکستان کا مسئلہ ہے اور اس میں ملک کا نوجوان طبقہ بنیادی کردار ادا کرسکتا ہے۔ ہمارے طلبہ' اساتذہ اور تعلیم یافتہ طبقہ کو چاہیے کہ وہ دوسرے لوگوں کو جرائم سے روکیں اور قوم میں یہ شعور پیدا کریں کہ مل جل کر رہنے کے لیے ایک دوسرے کے کام آنے کا جذبہ نہایت ضروری ہے۔ دوسروں کے کام آکر ملکی مسائل کو کم کیا جاسکتا ہے' لہٰذا طلبا کو سماجی اور قومی شعور سے بہرہ ور ہوکر ملک کی تعمیر وترقی میں قابلِ قدر کردار ادا کرنا ہوگا۔

یہ فیضانِ نظر تھا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسمٰعیلؑ کو آدابِ فرزندی

سوال :7- اپنے ڈاکٹر دوست کے نام خط لکھیے جس میں اسے کہا گیا ہو کہ وہ بیرونِ ملک سے آکر اپنے ہم وطنوں کی خدمت کرے۔ (10)

جواب : کمرۂ امتحان

12 اکتوبر 2016ء

پیارے دوست اسلم!

اسلام علیکم!

خداوند تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ تم خیریت سے ہو۔ میں کافی عرصے سے تمھیں خط لکھنے کا ارادہ کررہا تھا۔ میرے دوست! تم نے میڈیکل میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور آج کل امریکا میں ایک ماہر طبیب کے طور پر فرائض سرانجام دے رہے ہو۔ تمھاری یہ شہرت' یہ کامیابی اور روپے پیسے کی یہ

فراوانی یقیناً کئی حوالوں سے ہمارے لیے قابلِ رشک ہے۔ میں تمھاری اس کامیابی پر بے حد خوش ہوں۔

پیارے اسلم! آج تو تم ڈاکٹر اسلم ہو۔ کینسر کے مرض کے ایک ماہر سرجن ہو۔ تمھاری میڈیکل کی ساری تعلیم اس پیارے وطن کے کالجوں میں مکمل ہوئی اور تم بڑے نیک ارادے، جوش اور جذبے کے ساتھ مزید تعلیم کے لیے امریکہ روانہ ہوئے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ رخصت ہوتے وقت تمھاری آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے اور تم نے بڑے پُر جوش لہجے میں کہا تھا کہ میں کینسر کے علاج کی خصوصی مہارت حاصل کر کے وطن لوٹوں گا اور اس ملک سے اس موذی مرض کی جڑیں اکھاڑ پھینکوں گا۔ مگر آج دس سال ہو گئے تم نے واپسی کا ارادہ ہی بدل دیا۔ اب تم نے اچھی شہرت اور دولت حاصل کر لی ہے۔ تو کیا اس ملک کے لوگوں کا تم پر کوئی حق نہیں۔ تم یہ کیسے بھول سکتے ہو کہ تمھاری والدہ اسی موذی مرض کا شکار ہو کر جہانِ فانی سے کوچ کر گئیں تھیں۔ تم اس وقت میڈیکل کالج کے آخری سال میں تھے، بڑے جذباتی مگر بے بس تھے۔

پیارے دوست آج تم اس مقام پر ہو کہ کئی مائیں، کئی بیٹیاں اور کئی جوان تمھاری مسیحائی سے نئی زندگی پا سکتے ہیں۔ اب تو ہمارے ملک میں کینسر کے ہسپتال بھی قائم ہو چکے ہیں۔ کیا ہی اچھا ہو کہ تم واپس آ کر اپنی خدمات سے اپنے لوگوں کو نئی زندگی دو۔ یقین کرو روپے پیسے کی اس ملک میں بھی کمی نہیں۔ بس تم نیک ارادے لے کر آؤ۔ یہاں معاشی طور پر بھی تم مایوس نہ ہو گے اور لوگوں کی دعائیں پا کر روحانی سکون محسوس کرو گے۔

مجھے امید ہے کہ تم مجھے جلد اپنے وطن واپس آنے کی خوشخبری سناؤ گے۔ ہم سب تمھارے منتظر ہیں۔

والسلام

تمھارا دوست

الف۔ب۔ج